عرفان وکلام:

تصوّر خدا

کلام رومی میں

ڈاکٹر جلیل مسعودی فرد

اہل عرفان کی نظر میں انسان کی انتہائے مسرت وشادمانی معرفت حق اور خداشناسی میں مضمر ہے۔ ان کی رائے میں علم ومعرفت کی اساس اور تمام علوم کی انتہا معرفت حق کے وسیلے سے ہی اپنی معنویت اور قدر وقیمت کو پاسکتی ہے۔ ہم یہاں اس بات کا ذکر تو نہیں کریں گے کہ معرفت خداوندی کا سرچشمہ کیا ہے اور وہ کیا محرکات ہیں جن کے باعث انسان خداوند تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے؟ البتہ یہ بنیادی سوال ضرور پیش کریں گے کہ کیا انسان کی رسائی معرفت حق تک ہو سکتی ہے؟ اور کیا انسان درجۂ حق شناسی تک پہنچ سکتا ہے؟ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ ایک اہم ترین سوال ہے جو خداشناسی سے متعلق بحث وگفتگو کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے اور جس کے جواب ادیان ومذاہب اور مختلف فرقوں نے جداگانہ طور پر دیئے ہیں۔

توحید پرست مذاہب میں خداوند تعالیٰ وہ غیر مادّی ہستی موجود، دنیا ومافیہا سے کہیں بلند، قادر کل، عالم مطلق، خیر محض اور ہر چیز سے برتر وبالا ہے جس کا تصوّر بھی انسان کے وہم وگمان میں نہیں سما سکتا۔ اور کوئی بھی شخص اس کی ذات کو تصور کے ذریعے ذہن نشین نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس کے بارے میں مندرجہ ذیل حدیث موجود ہے:

"تم جو کچھ اپنے افکار وخیالات کے مطابق اس کے دقیق ترین معنی کے بارے میں تشخیص

وتمیز کرتے ہو وہ تمہارے ہی ذہن کی تخلیق ہے۔"

حضرت علیؑ اگرچہ دین ومذہب کی بنیاد و سرلوح حق شناسی کو ہی سمجھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ خداوند تعالیٰ کو ہر تعریف وتوصیف سے برتر وبالا جانتے ہیں۔ آپ کی رائے میں کوئی بھی صفت اس قابل نہیں جو خداوند تعالیٰ کے کسی وصف کو بیان کر سکے۔ کیونکہ ہم جس صفت سے بھی خداوند تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اس کی ذات کو اس صفت میں محدود کر دیتے ہیں درحالیکہ وہ ہر حد سے بے نیاز ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ وہ ازل میں بھی تھا، اب بھی ہے اور اس کے وجود کا عدم سے کوئی واسطہ وسابقہ نہیں۔ وہ ہر ہستی موجود میں ہے لیکن اس کا کوئی ہم پلہ وہمسر نہیں۔ اگرچہ وہ ہر چیز سے علیٰحدہ ہے مگر اس طرح نہیں کہ اس سے وہ برطرف اور علیٰحدہ ہو۔

انسان تمام دشواریوں اور مختلف قیود وحدود کے باوجود ہمیشہ مختلف اطوار سے اس ہستی کو پہچاننے کے لئے کوشاں رہا ہے جو اس کے لئے ناشناسا ہے، چنانچہ ایک دیندار انسان تمام اساطیر کو برطرف کر کے اور ان کی جگہ علم الٰہی کی دانش عقلانی کو رکھ کر خود اپنے آپ میں ضرورت محسوس کرتا ہے کہ معرفت کے ان وسائل کے ذریعے جو اس کی دسترس میں ہیں، اس ذات برتر وبالا کے نزدیک ہو جائے اور اس کی واقعیت سے مطمئن ہو کر اس کی ذات وصفات کے بارے میں بصیرت حاصل کر لے۔ ایک متکلم چاہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کو وحی کی بنیاد پر قیاس، عدل اور دلیل وبرہان کے ذریعے ثابت کرے اور اپنے دعوے کو پایۂ ثبوت تک پہنچادے۔ لیکن عارف کسی دوسرے ہی طریقے سے سوچتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی وسیلے کے بغیر محض تقرب ذاتی، صفائے دل، تزکیۂ نفس اور مکاشفات پر متکی ہو کر خداشناسی کے درجے پر پہنچ جائے۔

اہل عرفان کا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ خود اپنی جانب ہدایت کی راہ دکھاتا ہے اور یہ کہ اس کو عقل واستدلال سے نہیں بلکہ خود اسی کے ذریعے سے پہچانا جاسکتا ہے۔ اگرچہ انسانی فکر وخیال میں اتنی گنجایش نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کو پہچان سکے، کیوں کہ اس کی حقیقت کو درک کر لینا کسی بھی انسان کے لئے ناممکن ہے۔ لیکن اس کے باوجود خداوند تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان اس راہ میں جدوجہد کرے اور تلاش جاری رکھے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی بھی ان چند مشخصات وامتیازات

کے باجود جوان کی ذات میں پائے جاتے ہیں، دیگر عرفاء کے انداز میں ہی سوچتے ہیں۔

در حقیقت مولانا جلال الدین رومی نے اپنے کلام میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کے اوصاف بیان کریں۔ خداوند تعالیٰ کو جس طرح مولانا روم نے پہچانا ہے اور اس کی معرفت میں جو انہوں نے سخن سرائی کی ہے، اس کی رو سے خداوند تعالیٰ حی و قیوم ہے۔ خداوند تعالیٰ وہ ذات باصفات ہے جس کی خواہش ہے کہ اسے پہچانا جائے۔ اسی لئے اس نے خود کو نہانخانۂ سرمدی سے ظاہر و آشکار کیا اور اس جہان و ہستی میں اپنی تجلّی کا ظہور کیا۔ صرف قلبی مشاہدے کے ذریعے ہی ان نشانیوں کے توسط سے جو عالم ہستی میں موجود ہیں، اس کا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ یہی وہ نشانیاں ہیں جن میں سے ہر ایک اس کی قوّت تخلیق و آفرینش، قدرت، لطف و محبت کی شہادت دے رہی ہے۔

مولانا روم نے کئی مرتبہ اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت داؤد پیغمبر خداوند تعالیٰ سے یہ سوال کرتے ہیں: اے خدا تو نے مخلوق کی تخلیق و آفرینش کیوں کی؟ خداوند تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے کہ میں گنج نہاں تھا، میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے۔ اسی لئے میں نے انسان کو خلق کیا:

بهر اظهار است این خلق جهان　　تا نماند گنج حکمتها نهان

(اس دنیا کی تخلیق خود کو ظاہر کرنے کے لئے کی ہے تاکہ حکمتوں کے خزانے پوشیدہ نہ رہیں)

گفت کنزاً " گفت مخفیا " شنو　　جوهر خود گم مکن اظهار شو

(اس نے کہا کہ اے گنج پنہاں میری بات سن! اپنے جوہر کو تو ضایع مت کر۔ خود کو ظاہر کردے)

چنانچہ خداوند تعالیٰ گنج مخفی تھا اور چاہتا تھا کہ آشکارا ہو، اور دوسرے اسے پہچان لیں، اسی لئے اس نے انسان کی تخلیق کی تاکہ وہ اسے پہچانے۔

گنج مخفی بُد زپرّی جوش کرد　　خاك را سلطان اطلس پوش کرد

(وہ پوشیدہ خزانہ ہی تھا لیکن اوپر تک بھر جانے کے باعث وہ ابل پڑا۔ اسی لئے اس نے زمین کو

اطلس پوش سلطان بنادیا)

اگر چہ انسان کی فکر وخیال فنا پذیر ہیں اور جو بات بھی اس کے ذہن میں خطور کرتی ہے وہ خدا نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان اس راہ میں چند لمحوں کے لئے بھی توقف نہ کرے اور اپنی تمام آشفتگی و پریشاں حالی کے باوجود اس کی جانب گامزن ہو۔ نفس حرکت اور انسان کی جستجو مقدس ہے۔

هرچه اندیشی پذیرای فناست　　آن که در اندیشه ناید آن خداست

(تیرے دل میں جو بھی خیال آتا ہے وہ فنا پذیر ہے۔ اور جو تیرے فکر و خیال میں نہیں سما سکتا وہی خدا ہے)

دوست دارد یار این آشفتگی　　کوشش بیهوده به از خفتگی

(دوست کو یہ آشفتگی و پریشاں حالی پسند ہے۔ سوتے رہنے سے تو یہ بے فائدہ سعی و کوشش ہی بہتر ہے)

اندراین ره می تراش ومی خراش　　تا دم آخر دمی فارغ مباش

(اس راہ میں تو اپنی تراش و خراش جاری رکھ اور آخری سانس تک اس تراش و خراش سے فارغ مت نہ بن۔)

ہر چند کہ انسان اس راہ میں یقین تک بھی نہ پہنچ سکے مگر پھر بھی اسے چاہئے کہ تلاش و جستجو جاری ہی رکھے تاکہ فاسد افکار و خیالات میں کمی واقع ہو سکے کیوں کہ اگر سو بد گمانیوں میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو یہ بھی پسندیدہ امر ہے اور امید افزا:

جهد کن تاصد گمان گردد نود　　شب برو ورتو بخسبی شب رود

(جدوجہد کر تاکہ وہ سو گمان نوے ہو جائیں۔ رات کو سفر کر کیونکہ اگر تو سو گیا تو رات چلی جائے گی)

وہ عرفاء جو کلامی بحث کی جانب بیشتر مائل نظر آتے ہیں انہوں نے معرفت خداوندی کو تین ارکان اور بنیادی قوام پر تقسیم کیا ہے، اور وہ ہیں: (۱) معرفت ذات، (۲) صفات معرفت

اور (۳) معرفت افعال خداوندی۔

اس میدان میں امام غزالی نے بالخصوص موشگافی کی ہے۔ انہوں نے ہر رکن کو متعدد اصول پر تقسیم کیا ہے۔ اور تفصیل سے اس کے بارے میں گفتگو بھی ہے۔ ہم بھی یہاں اس بحث کا ان ہی تین رکنوں کی بنیاد پر جائزہ لیں گے:

ا۔ ذات خداوندی: نظری عرفان کے پیروکاروں نے ذات خداوندی کے بارے میں بہت زیادہ بحث و گفتگو کی ہے۔ انہی میں سے ایک آشتیانی ہیں۔ موصوف نے شرح رسائل قیصری میں اس کے بارے میں خط نسخ میں تحریر فرمایا ہے:

"حقیقت وذات حق اسمی یا لفظی تعریف یا ان دو کے علاوہ کسی اور چیز سے مراد نفس حقیقت وجود و ہستی محض ہے اور حقیقت وجود محض بلاشرط کلیہ قیود سے مطلق اور ہر اس چیز سے آزاد ہے جو حساب و شمار میں آتی ہو.... ذات پر اطلاق وجود بھی تفہیم کے زمرے میں آتا ہے۔ کہ یہ نہیں ہے: کہ یہ اسم ذات کے لئے ہو۔ لہذا مقام ذات نہ اس کا حامل ہے اور نہ اسم کا لیکن اس کے باوجود ہر موجود کے ساتھ حسب ظہور، فعل و معیت قیومی ہے اور اس کا اسی سے سروکار ہے۔"

مثنوی چونکہ بیشتر عرفان عملی پر مبنی ہے اسی لئے علوم الٰہی میں اس قسم کے جو مباحث اصحاب عرفان کے ذریعہ نظری طور پر پیش کئے جاتے ہیں وہ مثنوی میں نظر نہیں آتے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مولانا جلال الدین رومی ان کے برخلاف جو ذات و صفات حق کے بارے میں بحث و گفتگو کو اسرار عظیم سے تعبیر کرتے ہیں، ذات و صفات سے متعلق بحث نظری کے بجائے سنت و شریعت سے استناد کرتے ہیں اور اس خیال کے پیش نظر تشبیہ و تنزیہ کی افراط و لغزش، کے مباحث کو اکثر و بیشتر درمیان میں لانے سے گریز کرتے ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی حدیث رسولؐ وتفکروا فی آلآء الله ولاتفکروا فی الله (اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کے بارے میں غور و فکر کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی بابت مت الجھو) کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ ذات خداوندی میں غور و فکر نہ کرو کیوں کہ انسانی فکر و فہم ذات حق کو درک کرنے میں ضعیف و ناتواں ہے اور انسان کے غور و فکر اور ذات خداوندی کے درمیان ہزاروں

پردے حائل ہیں۔

زین وصیّت کرد مارا مصطفیٰؐ　　بحث کم جویید در ذات خدا

(حضرت محمد مصطفیٰؐ نے ہمیں یہ وصیت کی ہے کہ ذات خداوندی میں کم بحث کرو)

آں کہ درذاتش تفکر کردنی است　　در حقیقت آن نظر درذات نیست

(وہ چیز جو اس کی ذات میں غور و فکر کرنے کے قابل ہے در حقیقت وہ نظر ذات میں نہیں ہے)

ہست آن پندار او زیرا بہ راہ　　صد ہزاران پردہ آمد تا الٰہ

[کہ اس کی یہ غور و فکر ابھی ارتقاء کی ہے۔ خدا سے متعلق (غور و فکر میں) سو ہزار پردے درمیان میں ہیں]

اس بنا پر یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فکر انسانی خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جو خود درک کرتی ہے وہ اس کی اپنی ہی محدود فکر و خیال کی تخلیق کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ چنانچہ حضرت امام باقرؑ کے قول کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے ذہن میں جو چیز بھی آتی ہے وہ دقیق ترین حالت میں اس کے اپنے ہی ذہن کی ساختہ و پرداختہ ہوتی ہے اور چونکہ وہ انسان کی طرح اسی کی ساختہ و پرداختہ ہوتی ہے اسی لئے اس کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔

ہریکی درپردہ ای موصول جوست　　وہم او آن است کآن خود عین اوست

(ہر ایک کسی نہ کسی پردے میں اپنے ہی موصول کی جستجو میں ہے چنانچہ جو بھی فکر و خیال ہے وہ بالکل اسی طرح کا ہے)

پس پیمبرؐ دفع کرد این وہم از او　　تا نباشد درغلط سودا پز او

(اس بنا پر پیغمبرؐ نے اس کے اس خیال کو دور کر دیا تاکہ وہ اپنے ذہن میں غلط خیالات کی پرورش نہ کرے۔)

اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ذات خداوندی اس سے کہیں برتر و بالا ہے جسے انسان کی عقل درک کر سکے۔ انسان تو اپنے محدود تصور کی بنیاد پر اسماء و صفات الٰہی کے بارے میں صرف غور و فکر ہی کر سکتا ہے۔ وہ آدمی جو اپنے تصورات کا عاشق ہو، اس کا شمار عاشقان خدا میں نہیں

ہو سکتا۔ لیکن اگر انسان خدا کا عاشق صادق ہو تو اس کے یہی مجازی و محدود تصورات اصل کی حقیقت کی جانب راہنمائی کرتے ہیں۔

گرتوّهم می کند او عشق ذات ذات نبود وهم اسماء و صفات
(اگرچہ تو عشق ذات کا تصور کرتا ہے لیکن در حقیقت وہ عشق ذات کا نہیں بلکہ اسماء و اوصاف کا تصور ہے)

وهم زاییده زاوصاف و حداست حق نزاییده است و ولم یولد است
(فکر و خیال نے اس کے اوصاف کو پیدا کیا ہے اور اس کی ایک حد ہے۔ حق تعالیٰ نے کسی کو جنم نہیں دیا کیوں کہ وہ خود کسی کی اولاد نہیں)

عاشق تصویر ووهم خویشتن کی بود از عاشقان ذوالمنن
(جو شخص خود اپنے تصور و خیال کا عاشق ہو وہ احسانات کرنے والے کا کب عاشق ہو سکے گا؟)

عاشق آن و هم اگر صادق بود آن مجازش تا حقیقت می کشد
[اس فکر و خیال کا عاشق اگر صادق ہو تو اس کا وہ مجازی (فکر و خیال) اسے حقیقت کی طرف کشاں کشاں لے جائے گا]

انسان مادّی اجسام کا مشاہدہ کرتا ہے لیکن اس کا خیال اس حد پر پہنچنے کے بعد رک جاتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کے بارے میں ہر شخص کے خیالات اس کی اپنی اپنی حد تک ہیں اور وہ انسانی دل جو خوشی و غم میں محو و مبتلا ہے، اس قابل نہیں ہے کہ دوست کا دیدار کر سکے۔

جسم جسمانه تواند دیدنت درخیال آرد غم و خندیدنت
[جسم تو مجسم چیزوں کو ہی دیکھ سکتا ہے۔ (یہ جسم ہی تو ہے جو) تیرے ذہن میں خوشی و غم کو لاتا ہے]

دل که او بسته غم وخندیدن است تو مگو که لایق آن دیدن است
[جس نے اپنا دل خندہ غم سے وابستہ کر لیا (اس کے بارے میں) تو یہ نہ کہہ کہ وہ دیدار کے قابل ہے]

خداوند تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دو دلیلیں ہیں :

۱۔ پہلی دلیل تو یہی ہے کہ خداوند تعالیٰ ہر جگہ عیاں و آشکار ہے اور ہر جگہ موجود۔ کیونکہ انسان کو بہت زیادہ عیاں و آشکار اشیاء اور موجودات نظر نہیں آتیں۔

۲۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ خدا کا مقابل نہیں۔ اور انسان ہے کہ وہ ہر چیز کو ضد و مقابل سے ہی پہچانتا ہے۔

جان ز پیدایی و نزدیکی است گم چون شکم پر آب و لب خشکی چوخم

[روح اس لئے نظر نہیں آتی کہ وہ عیاں ہے اور قریب، جیسے کہ گھڑے کا پیٹ پانی سے بھرا ہوتا ہے لیکن اس کا منہ خشک ہی رہتا ہے]

بس نهانیها به ضد پیدا شود چون که حق رانیست ضد پنهاں بود

[پوشیدہ چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔ چوں کہ خداوند تعالیٰ کا مقابل نہیں اسی لئے وہ پوشیدہ ہے۔]

چونکہ خدا کا کوئی مثل و مانند نہیں اسی لئے اس کے اوصاف بیان کرنا زبان کی استعداد و قدرت سے باہر ہیں، حتی کہ تمثیل کی زبان سے بھی اس کے بارے میں لب کشائی نہیں کی جاسکتی۔

من چه گویم یك رگم هوشیار نیست شرح آن یاری که او را یار نیست

[میں خداوند تعالیٰ کے اوصاف کیسے بیان کروں؟ (میں اس کے عشق میں اس قدر محو و گم ہوں کہ) میری ایک رگ بھی ہوشیار نہیں۔ اس یار کے اوصاف کی کیا شرح بیان کی جاسکتی ہے جس کا کوئی ثانی و ہم پلہ نہیں]

خداوند تعالیٰ کے اوصاف بیان کرنے میں مولانا روم کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ شریعت کی حدود سے خارج نہ ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ خود خداوند تعالیٰ نے اپنے اوصاف بیان کرنے کے لئے تمثیل سے کام لیا ہے۔ چنانچہ انسان ان مثالوں کو ہی بروے کار لاسکتا ہے۔ اسی لئے انسان پر لازم ہے کہ اپنے فکر و خیال کی بنا پر خداوند تعالیٰ کا ذکر کسی تمثیل کے ذریعے نہ کرے:

کی رسد تاں این مثلها ساختن سوی آن درگاه پاك انداختن

[اس منہ کی کیا مجال کہ وہ مثالیں بنا کر پیش کر سکے اور اس درگاہ پاک سے انھیں نسبت دے سکے]

آن مثل آوردن ، آنِ حضرت است که به علم وسرّوجهراوآیت است

[مثال دینا بھی اس ذات عالی کے لئے سزاوار ہے، جس کے علم اور سرّ و جہر کے بارے میں آیات موجود ہیں۔]

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے، مولانا نے معرفت حق کے وصف میں تمثیل کا سہارا لیا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ اقدام بحالت ناچاری کیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مسئلے کا حل تمثیل نہیں ہے۔ اسی لئے اس کے استعمال سے وہ مطمئن نہیں ہیں کیونکہ اس سے بھی ان کی روح کو تسلی و تسکین حاصل نہیں ہوتی۔

ای برون از وهم و قال و قیل من　　خاك بر فرق من و تمثیل من

[اے ذات باری تعالیٰ] تو میرے تصور اور قیل و قال سے بالاتر ہے۔ مجھ پر اور میری اس تمثیل نگاری پر خاک]

بنده نشکیبد ز تصویر خوشت　　هر دمت گوید که جانم مفرشت

[تیری حسین تصویر اس غلام کو تسکین نہیں بخشتی۔ میرا ہر دم مجھ سے یہ کہتا رہا ہے کہ یہ جان تیری فرش راہ ہے]

همچو آن چوپان که می گفت : ای خدا　　پیش چوپان ومُحبّ خود بیا

[میری حالت] اس چرواہے کے جیسی ہے جو یہ کہتا تھا: اے خدا! اس چرواہے اور اس اپنے چاہنے والے کے پاس آ۔]

بہر صورت یہی تلاش و جستجو اور یہی فکری تکاپو خدائے ازلی کے وجود کی دلیل ہے اور اس کی ہستی کی شاہد و گواہ۔ اس کی مثال اس پن چکی سے دی جاسکتی ہے، جس کا چلنا ہی پانی کے وجود کی دلیل ہے۔

جنبش ما هر دمی خود اشهد است　　که گواه ذوالجلال سرمد است

[ہماری جنبش و حرکت ہی ہر دم واضح و روشن] طور پر اس امر کی شاہد و گواہ ہے کہ خدائے ذوالجلال ابدی ہستی ہے۔]

گردش سنگ آسیا در اضطراب　　اشهد آمد هر وجود جوی آب

[جس بے چینی سے پن چکی کا پاٹ گھومتا ہے وہ اس بات کی کھلی نشانی ہے کہ ندی میں پانی موجود ہے]

اگرچہ خداوند تعالیٰ کی کوئی شکل و صورت نہیں لیکن تمام صورتوں کا خالق وہی ہے اور تمام اشکال اسی سے مدد حاصل کرتی ہیں۔ نیز سب ہی خداوند تعالیٰ کی قدرت کمال کے علامات ہیں۔

فاعل مطلق یقین بی صورت است　　صورت اندر دست اوچون آلت است
[یقیناً کارساز مطلق بے شکل وصورت ہے (لیکن ہر) صورت اس کے ہاتھ میں آلے کی مانند ہے]

گه گه آن بی صورت از کتم عدم　　مر صور را رونماید از کرم
[وہ بے صورت، عدم کی پوشیدگی سے از روے لطف وکرم صورتوں کو گاہے گاہے ظاہر کرتا ہے]

تامدد گردد از او هر صورتی　　از کمال و از جمال و قدرتی
[تاکہ ہر صورت اس کی مدد حاصل کرے، اس کے کمال کی، اس کے جمال کی اور اس کی قدرت کی۔]

صورتوں کے اصل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے انسان کو چاہئے کہ وہ عجز وزاری اور اپنی نیست ونابوری کی جانب رخ کرے۔ کیوں کہ اپنے غور وفکر سے وہ صرف ماڈی صورتوں کو ہی دیکھ سکتا ہے اور انہیں ہی کادرک کر سکتا ہے۔

در تضرّع جوی ودر افنای خویش　　کز تفکر جز صور نآید به پیش
[تضرع وزاری اور اپنی فنا کے لئے کوشاں ہو۔ کیونکہ غور وفکر سے (ظاہری) صورتوں کے علاوہ تیرے سامنے کچھ نہ آئے گا]

یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ مولانا جلال الدین رومی کا یہ یقین ہے کہ خداوند تعالیٰ کو پہچاننے میں انسان ہمیشہ حیرت سے دوچار ہوتا ہے۔ اور جب وہ اپنی زبان سے اوصاف خداوندی بیان کرنا چاہتا ہے تو اس کی زبان لکنت کرنے لگتی ہے۔ چنانچہ یہ حیرت اور اس کے زبان کی یہ لکنت پوری مثنوی میں نظر آتی ہے۔ وہ اس نظریئے کے حامل ہیں کہ معرفت خداوندی ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس کی اتنی ابعاد ہیں کہ اس کے بارے میں غور وفکر کر کے انسان تناقض سے دوچار ہوتا ہے اور بحر حیرت میں غرق ہو کر رہ جاتا ہے، اور اپنی اس بے چارگی کے باعث ہر طرف ہاتھ پیر مارتا ہے۔

گه تناقض ، گاه ناز وگه نیاز　　گاه سودای حقیقت گه مجاز
[کبھی تناقض، کبھی ناز اور کبھی نیاز۔ کبھی حقیقت اور کبھی مجاز کی دیوانگی]

مرد غرق گشته جانی می کند　　دست را در هر گیاهی می زند
[انسان غرق ہونے لگے تو وہ اپنی جان کی بازی تک لگا دیتا ہے۔ اور (سہارے کے لئے) ہر تنکے کی طرف

ہاتھ پیر بڑھاتا ہے]

تا کدامین دست گیرد درخطر　　دست و پایی می زند از بیم سر

[(دیکھیں) کہ خطرے میں اس کا کون ہاتھ تھامتا ہے۔ اس خوف سے کہ اس کے سر کو گزند نہ پہنچے وہ ہاتھ پر مارتا ہے]

ایک اعتبار سے خداوند تعالیٰ انسان کے بہت ہی زیادہ نزدیک ہے اسے حواس کے ذریعے پہچانا جاسکتا ہے۔ لیکن ظاہری حواس سے نہیں بلکہ یہ پہچان حواس قلبی و باطنی کے ذریعے ہی ممکن ہے]

پس حقیقت بر همه حاکم کسی ست　　که قریب است او اگر محسوس نیست

[پس یہ حقیقت ہے کہ سب پر کوئی حاکم (ضرور موجود) ہے۔ اگر چہ وہ بہت ہی قریب ہے مگر ایسے ظاہری حواس کے (ذریعے) محسوس نہیں کیا جاسکتا]

هست او محسوس اندر مکمنی　　لیك محسوس حس این خانه نی

[باطن میں وہ قابل حس ہے۔ لیکن اس گھر کی جو حس ہے (یعنی حس ظاہری) اس کے ذریعے وہ محسوس نہیں ہوتا]

آن حسی که حق بر آن مظهر است　　نیست حس این جهان آن دیگر است

(وہ جس کے ذریعے خداوند تعالیٰ مظہر ہے ،اس دنیا کی حس نہیں ہے بلکہ وہ دیگر حس ہے)

اس بنا پر خداوند تعالیٰ کو ثابت کرنے کے لئے خود خداوند تعالیٰ کے علاوہ اس سے بہتر کوئی اور دلیل نہیں۔ خداوند تعالیٰ مثل خورشید ہے جس کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی اپنا شاہد ہے۔ حتیٰ کہ فرشتے تک اس کے وجود کی شہادت نہیں دے سکتے۔

بس بود خورشید را رویش گواه　　ایُّ شئي اعظم الشاهد اله

[سورج (کو ثابت کرنے کے لئے) بس اس کا چہرہ ہی گواہ ہے۔ خداوند تعالیٰ کے ہونے کی سب سے بڑی دلیل خود اس کی ذات ہے]

چون گواهی داد حق ، که بود ملك　　تا شود اندر گواهی مشترك

[جب خداوند تعالیٰ نے خود ہی (اپنے وجود کی) گواہی دی ہے تو فرشتے کی کیا ہستی ہے کہ خداوند تعالیٰ کے

ساتھ اس گواہی میں شریک ہو]

زآن که شعشاع و گواهی آفتاب برنتا بد چشم و دلهای خراب

[خداوند تعالیٰ نے اپنے وجود کی گواہی خود اس لئے دی ہے کہ خورشید کی تابانی اور اس کی گواہی چشم (انسان) برداشت نہیں کرسکتی اور فاسد (خیال سے لبریز) دل بھی اس کے متحمل نہیں ہو سکتے]

ذات خداوندی اس خورشید کی مانند ہے جس کی کوئی مشرق (طلوع ہونے کی جگہ) نہیں۔ وہ ہمیشہ سے درخشاں ہے، لیکن نور خورشید کی مانند اس کے ذرّات کی مشرق و مغرب جیسی سمتیں ہیں]

مشرق خوشید ، برج قیر گون آفتاب ما زمشرقها برون

[خورشید کے طلوع ہونے کی جگہ (مشرق) سیاہ مادے (تارکول) کے رنگ کا برج (آسماں) ہے۔ لیکن ہمارا آفتاب ان مشرقوں کی حدود سے باہر ہے]

مشرق او نسبتِ ذرّات او نی برآمد نی فروشد ذات او

[اس کی مشرق (جائے طلوع) اس کے ذرات کی نسبت سے ہے۔ مگر (خداوند تعالیٰ) وہ ذات ہے کہ نہ تو وہ طلوع ہوتی ہے اور نہ ہی غروب]

مولانا روم جب خداوند تعالیٰ کے اوصاف بیان کرنا چاہتے ہیں تو خود کو بہت عاجز و زبوں پاتے ہیں۔ وہی خدا جو خورشید کی مانند ہر جگہ تابان ہے اس کے اوصاف بیان سے باہر ہیں۔ انھیں نہ تو زبان بیان کرسکتی ہے اور نہ ہی قلم انھیں تحریر میں لا سکتا ہے۔

گفت رو کان وصف ازآن هایل تر است که بیان بروی تواند برد دست

[اس نے) کہا کہ وصف خداوند تعالیٰ (قوت) بیان سے اس قدر سنگین و گراں ہے کہ وہ اس تک دسترس حاصل کرسکے]

یاقلم را زهره باشد که بسر بر نویسد بر صحائف زآن خبر

[یا پھر قلم میں اتنی ہمت ہو کہ وہ سر کے بل (چل کر) مقدس کتابوں میں اس کے اوصاف کی خبر دے سکے۔]

انسان نہ کہ صرف خداوند تعالیٰ کے اوصاف بیان کرنے سے قاصر ہے، بلکہ وہ مکمل طور پر

اس کی ثنا و ستائش تک نہیں کر سکتا۔ اور جو کچھ حمد و ستایش کرتا بھی ہے وہ نہایت ہی ناقص و نامکمل ہوتی ہے۔

هان وهان گرحمد گویی گر سپاس　　همچو نا فرجام آن چوپان شناس

[ہاں! (تو ذرا غور سے سن!) اگر تو اس کی حمد و ثنا کی (جرأت) کرے تو (یہ سمجھ لے کہ) تیرا حال اس ناعاقبت اندیش چرواہے کی طرح ہوگا (جو یہ کہتا تھا کہ اے خدا تو کہاں ہے؟ آ، میں تیری گدڑی کی جوئیں دیکھوں]

حمد تو نسبت بدان گر بهتر است　　ليك آن نسبت به حق هم ابتراست

[مانا کہ) تو نے جو حمد و ثنا کی ہے وہ کہیں بہتر ہے، لیکن اس کا مقابلہ اگر حمد خداوندی سے کیا جائے تو وہ ناقص ہے]

چند گویی چون غطا برداشتند　　کین نبودت آن که می پنداشتند

[تو کب تک یہ کہے گا کہ جب (انہوں نے تیرے) رخ سے پردہ اٹھایا تو وہ وہ نہ تھا جو لوگ تصور کیا کرتے تھے]

ہم جو بھی حمد و ثنا کرتے ہیں وہ شایان شان خدا نہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی رحمت سے اسے قبول فرمالیتا ہے۔ ہماری یہ حمد و ستائش اس حائضہ کی نماز کی مانند ہے جو خون آلودہ ہے اور جب ہم خداوند تعالیٰ کے اوصاف بیان کرنے میں کسی تشبیہ سے کام لیتے ہیں تو ہماری یہ حمد و ثنا بھی ایسی ہی خون آلود ہوتی ہے۔

این قبول ذکر تو از رحمت است　　چون نماز مستحاضه رخصت است

[تو جو ذکر و ورد کرتا ہے، وہ خداوند تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول کر لیتا ہے گرچہ یہ ذکر اس حائضہ عورت کی نماز کی طرح ہی ہوتا ہے]

نتیجتاً جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے انسان ہمیشہ تشبیہ و تنزیہ میں مبتلا و گرفتار رہتا ہے درحالیکہ کل حقیقت وہ ہے جس میں تنزیہ و تشبیہ جمع ہیں۔ صنعت تنزیہ علیٰحدہ طور پر خداوند تعالیٰ و کائنات کی دوگانگی کی جانب لے جاتی ہے اور تشبیہ علیٰحدہ سے دیوتاؤں کا تصور پیدا کرتی ہے، جو شرک ہے۔ اس لئے

جو واقعی عارف ہیں وہ تشبیہ اور عین تنزیہ پر یقین نہیں رکھتے بلکہ وہ خداوند تعالیٰ کے حقیقی وجود واحد کو ہستی کی تمام صورتوں میں متجلی دیکھتے ہیں۔

ازتو ای بی نقش با چندیں صور　　هم مشبّه هم موحد خیره سر

[اے بے نقش اتنی (کثیر) صورتیں تجھ سے ہی ہیں جس پر مشبہ اور موحد دونوں ہی حیران ہیں]

گه مشبّه را موحد می کند　　گه موحد را صور ره می زند

[کبھی مشبہ کو موحد کر دیتا ہے۔ (اور) کبھی موحد کو صورتیں گمراہ کر دیتی ہیں]

اس بنا پر کل ہستی اسی کی ہستی کا جلوہ و نمود ہے۔ خداوند تعالیٰ کی دنیا میں مختلف تجلیات ہیں اور اس کے مختلف جلوات نے انواع و اقسام کی تخلیقات کی ہیں۔ یہ مختلف جلوے اس لئے ہیں کہ انسان موجود یگانہ کی جانب متوجہ ہو، اور خود کو اسی میں غرق کر دے۔

آستان و صدر در معنی کجاست　　ما و من کو آن طریق کآن یار ماست

[معنویت میں آستانہ اور صدر نشین مقام کہاں ہیں؟ جس طرف ہمارا وہ یار ہے اس طرف میں اور ہم (کی گنجایش) کہاں ہے؟]

ای رهیده جان تو از ما و من　　ای لطیفه روح اندر مرد و زن

[اے (انسان) تیری ذات من (میں) اور ما (ہم) سے نجات پا گئی۔ (اور) اب مرد و عورت کے جسم میں لطیف روح ہی ہے۔]

مرد و زن چون یك شود آن یك تویی　　چون که یکها محو شود آنك تویی

[جب مرد و عورت (دوئی سے نکل کر) ایک ہو جائیں تو وہ ایک ذات بس تو ہی ہے۔ جب ایک ایک جیسے تمام اعداد محو ہو جائیں تو بس باقی تو ہی ہے۔]

اس دوگانگی سے نجات پانے کے لئے انسان کو چاہئے کہ عشق و معرفت خدا میں خود کو فنا کر دے یعنی اپنی ہستی کو حق تعالیٰ کی یاد میں فانی قرار دے۔

چیست تعظیم خدا، افراشتن　　خویشتن را خوار و خاکی داشتن

[خداوند تعالیٰ کی تعظیم کیا ہے؟ خود کو پست و خوار ظاہر کرنا اور خاکسار جاننا]

چیست توحید خدا، آموختن   خویشتن را پیش واحد سوختن

[خداوند تعالیٰ کی وحدت کیا ہے؟ یہ سیکھنا کہ خود کو اس خدائے واحد کے آگے جلاڈالے۔]

گرهمی خواهی که بفروزی چو روز   هستی همچون شب توخود را بسوز

[اگر تو یہ چاہتا ہے کہ دن کی طرح تو درخشاں ہو، تو اپنی رات جیسی سیاہ ہستی کو جلاڈال]

جس وقت انسان فنا کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اسے بقائے الٰہی نظر آتی ہے اور وہ اس ہستی سے واصل ہو جاتا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

چون شدی من کان لله از وله   من ترا باشم که کان الله له

[جب تو عشق الٰہی سے خدا جیسا ہو گیا۔ میں تیرے ساتھ ہولیا کیوں کہ کوئی نہیں ہے خدا جیسا]

گه تو می گویم ترا گاهی منم   هرچه گویم آفتاب روشنم

[کبھی میں تجھ کو 'تو' کہتا ہوں، کبھی (کہتا ہوں) میں ہوں۔ میں جو کچھ بھی کہتا ہوں آفتاب روشن ہوں]

راہ حق شناسی میں ان تمام مشکلات اور خطرات کے باوجود انسان کو چاہئے کہ اپنی تلاش و جستجو جاری رکھے اور ناامید نہ ہو۔ کیونکہ خدا کا لطف و کرم انسان کا یار و مددگار ہے اور انسان کی راہنمائی درگاہ خداوندی کی جانب کرنا اس کا کام ہے۔

تومگو مارا بدان شه بار نیست   با کریمان کارها دشوار نیست

[تو یہ مت کہہ کہ ہماری اس شاہ کے (دربار میں) باریابی نہیں ہو سکتی (کیونکہ) کریم کے لئے (یہ) کام دشوار نہیں]

خداوند تعالیٰ نے ہمارے وجود میں جذبۂ طلب کی تخلیق کی ہے اور یہ طلب اس کی بخشش و عطا کی نشانی ہے:

این طلب درما هم از ایجاد تو ست   رستن از بیداد یارب داد توست

[طلب بھی ہم میں تیری ہی ایجاد کردہ ہے۔ اے اللہ! اس بیداد سے نجات پالینا ہی ترا عدل و انصاف ہے]

بی طلب تواین طلب مان داده ای   بی شمار و حد عطا ها داده ای

[بغیر طلب کئے تو نے ہمیں یہ طلب عطا کی ہے۔ تو نے ہمیں جو عطا کیا ہے اس کی نہ تو کوئی حد ہے اور نہ ہی ان کا شمار۔]

اب جبکہ خداوند تعالیٰ انسان سے یہ چاہتا ہے کہ راہ معرفت حق میں تلاش و جستجو جاری رکھے، درحالیکہ ایک اعتبار سے خداوند تعالیٰ کی ذات کے بارے میں غور و فکر کرنا لاحاصل و بے ثمر ہے، اس لئے اس کو چاہئے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی تجلیات کے بارے میں غور و فکر کرے۔ اس جہان ہستی میں تجلیات ہی خداوند تعالیٰ کی طرف انسان کی راہنمائی کر سکتی ہیں۔

از دو صد رنگی به بی رنگی رهی است رنگ چون ابر ست وبی رنگی مهی است

[دو سو رنگوں سے ایک رنگ کی جانب راستہ ہے، رنگ ابر کی مانند ہے اور بے رنگی ایک چاند ہے]

هرچه اندر ابر ضوء بینی و تاب آن ز اختردان و ماه و آفتاب

[ابر میں جو کچھ روشنی اور تابانی تو دیکھتا ہے۔ تو یہ جان لے کہ وہ سیاروں، چاند اور سورج سے ہے]

خداوند تعالیٰ کی صفات:

خداوند تعالیٰ کی صفات کے سلسلے میں جو موضوع سب سے پہلے منظر عام پر آتا ہے وہ خدا کی ذات و صفات کے درمیان رابطہ ہے۔ جس کا شمار علم کلام کے انتہائی قدیم مسائل میں ہوتا ہے۔ اس میدان میں اس موضوع سے وابستہ مختلف فرقوں کے درمیان بہت زیادہ اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔

صفات خدا، آیا جزء ذات خدا ہیں یا اس سے علیٰحدہ ہیں؟ اگر یہ ذات خداوندی کا جزء ہیں تو اس اعتبار سے خداوند تعالیٰ کے بہت سے اجزاء ہیں۔ چنانچہ نتیجہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا مرکب ہے اور چونکہ مرکب شئے اپنی ہستی میں اپنے اجزاء کی محتاج ہوتی ہے اسی لئے احتیاج نقص کی علامت ہے۔ لیکن اگر خدا کی صفات اس کی ذات سے علیٰحدہ ہیں تو ایسی صورت میں ہم دوگانگی اور شرک کے قائل ہوں گے۔ تعقل نے اس راہ میں بہت سے مشکلات پیدا کئے ہیں اور علم کلام کے مختلف فرقوں نے اس مسئلے کو الجھا دیا ہے، جو مسلمانوں کے افکار و خیالات میں انتشار و پراگندگی کا سبب بنا ہے۔

مشبہ و مجسمہ عقیدے کے پیروکار کہتے تھے کہ ذات خداوندی میں وہ تمام صفات موجود ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ حتیٰ کہ انھوں نے ہاتھ، پیر، آنکھ اور کان وغیرہ جیسی صفات کی عین

اس کے لغوی معنوں میں تفسیر کی ہے۔ صفات الٰہی کے بارے میں یہ نظریۂ تشبیہ محض ہے دوسری طرف معتزلہ کہتے ہیں: کہ خداوند تعالیٰ وجود مطلق، یکتا اور صفات سے عاری ہے۔ وہ عالم ہے یعنی جاہل نہیں۔ وہ قادر ہے، عاجز نہیں۔ اس کی ذات مستغنیٰ ہے اور کوئی صفت اس میں اس کی ذات سے زیادہ نہیں۔ اشاعرہ کی رائے تقریباً ان دو فرقوں کی رائے کے درمیان ہے۔ اشاعرہ کے نظریۂ کے مطابق خدو ند تعالیٰ یکتا و قدیم ہے لیکن اس میں علم، قدرت، حیات اور ارادہ وغیرہ جیسی صفات موجود ہیں، جو قدیم ہیں۔ نتیجے کے طور پر تعداد کے بارے میں جو قدماء کا عقیدہ ہے اس کے وہ ہمنوا نظر آتے ہیں۔ ان کے نظرئے کے مطابق خداوند تعالیٰ میں حیات، علم، قدرت، سمع وبصر جیسی صفات موجود ہیں۔ لیکن ان صفات کو ظاہری معنوں میں نہیں قبول کرنا چاہئے۔ یہ صفات بلا کیف و تشبیہ ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی صفات لا ثانی و بے نظیر ہیں اور بنیادی طور پر ان صفات اور مخلوق کی صفات میں فرق ہے۔ اسی لئے ان کا آپس میں مقابلہ نہ کیا جانا چاہئے، یہ صفات اس کی ذات پر قائم ہیں اور ہر حالت میں اس کی ذات پر زائد۔

قرآن مجید نے کثیر تعداد میں تشبیہات واستعارات کو کو بروے کار لاتے ہوئے بہت سے باریک اور پیچیدہ افکار کو قابل لمس اور مجسم صورت میں بیان کیا ہے۔ اب جبکہ ہم ذات الٰہی کی حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو اس غرض سے کہ اس ناقابل شناخت ہستی کی کچھ حد تک شناخت کر سکیں، قرآن نے مانوس و محسوس عوالم کی تشبیہات استعمال کی ہیں۔ اس طرح کے مفہوم کو ذہن نشین کرانے کے لئے خداوند تعالیٰ نے اپنی صفات کے اوصاف بیان کرنے کے لئے ایسی سادہ تشبیہات استعمال کی ہیں جنہیں چشم بینا محسوس کر سکتی ہے۔ یہ زمین، آسمان اور انسانی تجربات پر اس بنا پر مشتمل ہیں کہ وہ لوگ جن سے خطاب کیا گیا ہے انہیں آسانی سے درک کر سکیں۔ یہ صفات تعداد میں بکثرت و فراوان ہیں اور اس کے اسماء کے ہمدوش و ہمراہ۔ خداوند تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اور بعض روایات کے مطابق اس نے انسان کی تخلیق اپنی ہی صورت پر کی ہے۔ اور اس طرح اس نے انسان سے یہ چاہا ہے کہ وہ اخلاق الٰہی سے آراستہ و مزین ہو جائے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی آفرینش کا حقیقی و عالی مقصد خداوند تعالیٰ کی صفات کے مشابہ ہونا اور اس کے اخلاق سے زیب

وزینت حاصل کرنا ہے۔

آیات وروایات کے سلسلے میں عرفاء جس خاص نظریۂ کے حامل ہیں وہ اس نظریۂ سے کاملاً مختلف و متفاوت ہے جس کے حامی اہل کلام نظر آتے ہیں۔ان کے نظریات مسلمانوں نیز اہل کلام کے پراگندہ افکار سے قطعی جداگانہ ہیں۔وہ خداوند تعالیٰ کی صفات کے موضوع کو عقلی واستدلالی نظریئے سے نہیں دیکھتے۔اور عقل واستدلال کے ذریعے اس میدان میں وارد نہیں ہوتے۔مثال کے طور پر مشہور صوفی شاعر سنائی غزنوی اپنی مثنوی "حدیقۃ الحقیقہ" میں فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے جتنے بھی اسماء آعظم ہیں وہ انسانوں کی حاجات پر مبنی ہیں۔اور ہر نام انسانوں کی ضرورت کی بناپر وضع کیا گیا ہے۔ چنانچہ انسان صفات کی تقلید وپیروی کر کے اپنی حاجات وضروریات پوری کر سکتا ہے۔

نامهای بزرگ محترمت رهبر جود و نعمت و کرمت

[تیرے عظیم و قابل احترام نام تیری جود وسخا اور نعمت وکرم کی جانب راہنمائی کرتے ہیں]

هریك افزون زعرش وفرش وملك کان هزار و یکست صد کم یك

[ان میں ہر نام (اپنی صفت کے اعتبار سے) عرش، فرش اور فرشتے سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔اگرچہ تیرے نام ننانوے ہی ہیں مگر ہر ایک کی صفت ایک ہزار ایک ہے۔]

هریکی زان به حاجتی منسوب لیك نا محرمان از آن محجوب

[ان میں سے ہر نام کسی نہ کسی حاجت وضرورت سے منسوب ہے، لیکن تیرے جو صفات ہیں وہ نامحرموں سے پوشیدہ ہیں۔]

مولانا جلال الدین رومی نے اس سلسلے میں زیادہ سخن سرائی نہیں کی ہے، لیکن جو کچھ بھی موصوف نے فرمایا ہے اس میں وہ مکمل طور پر عرفاء کے نظریئے کے حامل ہیں انھوں نے اس موضوع کو خالص عرفان کے نظریۂ سے دیکھا ہے۔انہوں نے اس حدیث کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہ "خداوند تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اپنی ہی صورت پر کی" یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تمام انسانی صفات کا سرچشمہ ذات الٰہی ہی ہے:

خلق ما برصورت خود کرد حق وصف ما از وصف او گیرد سبق

[حق نے ہماری تخلیق اپنی ہی صورت پر کی ہے۔ ہمارے اوصاف اس کے اوصاف سے ہی سبق حاصل کرتے ہیں۔]

انسان صفات الٰہی کی اصطرلاب ہے اور اس کی آیات کا مظہر، چنانچہ انسان میں جو کچھ بھی ہے وہ صفات الٰہی کا ہی عکس ہے۔

آدم اصطرلاب گردون عُلُوست وصف آدم مظهر آیات اوست

[انسان اسی کی عظمت و بزرگواری کی اصطرلاب ہے۔ انسان میں جو بھی وصف و خوبی ہے وہ اسی کی آیات کا مظہر ہے]

هرچه دروی می نماید عکس اوست هم چو عکس ماه اندر آب جوست

[جو کچھ انسان میں نظر آتا ہے، وہ اسی ذات خداوندی کا عکس ہے۔ یہ چاند کے اس عکس کی مانند ہے جو آب جو میں دکھائی دیتا ہے۔]

اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ انسان اس خطۂ ارض پر خداوند تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اس کا سینہ و دل وہ آئینہ ہے جس میں خداوند تعالیٰ کی صفات منعکس ہوتی ہیں۔

پس خلیفه ساخت صاحب سینه ای تا بود شاهیش را آئینه ای

[خداوند تعالیٰ نے صاحب سینہ کو اپنا خلیفہ بنایا تاکہ وہ اس کی شاہی کا آئینہ ہو۔]

پس صفای بی حدودش داد او و آنگه از ظلمت ضدش بنهاد او

[اس کے بعد اس نے انسان کو بے حد و اندازہ روشنی و صفا بخشی۔ پھر اس نور و صفا کی ضد ظلمت میں رکھی۔]

خلق راچون آب دان صاف و زلال اندر آن تابان صفات ذوالجلال

[مخلوق کو تو صاف اور شیریں پانی کی طرح جان (اور) جس میں خدائے ذوالجلال کی تابان و درخشان صفات ہیں۔]

اگر انسان، بشری صفات سے بالاتر ہو کر، اپنے دل کو پاک و صاف کرے تو اس میں صفات خداوندی جلوہ گر و نمایاں ہوں گی اور اس کی ہستی حق تعالیٰ کی ہستی سے متصل ہو جائے گی۔

آن منی و هستی‌ات باشد حلال که در او بینی صفات ذوالجلال

[یہ تیری انا اور ہستی حلال ہو جائے تو تو اس میں صفات ذوالجلال دیکھے گا]

اس مقام پر پہنچ کر جب انسان اپنی ہستی کو نفی کر لیتا ہے تو وہ صفات الٰہی سے مزین و آراستہ ہو جاتا ہے اور اس کے وجود میں وجود حق منعکس ہونے لگتا ہے۔ لیلیٰ کے وجود میں مجنوں اس طرح سما جاتا ہے کہ اگر اس کے تن پر نشتر لگایا جائے تو وہ ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ نشتر لیلیٰ کے تن پر جا کر لگے۔ کیونکہ مجنوں نے اپنے وجود کو فنا کر دیا ہے۔ اب وہ جو کچھ ہے بس لیلیٰ ہی ہے۔

لیك از لیلیٰ وجود من پُراست این صدف پر از صفات آن دُر است

[لیکن لیلیٰ سے میرا وجود بھرا ہوا ہے۔ (بدن کی) یہ سیپی اسی موتی کی صفات سے پر ہے۔]

ترسم ای فصّاد گرفصدم کنی نیش را ناگاه بر لیلیٰ زنی

[اے نشتر لگانے والے میں ڈرتا ہوں کہ جب تو میرے نشتر لگائے گا تو اس کی تیز نوک اچانک لیلیٰ کے (تن) پر جا لگے گی]

داند آن عقلی که اودل روشنی است درمیان لیلی ومن فرق نیست

[اس کو وہی عقل جان سکتی ہے جو روشن دل ہے کیونکہ میرے اور لیلیٰ کے درمیان کوئی فرق (باقی) نہیں ہے۔]

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا جلال الدین رومی نے صفات اور نیک اخلاق کے بارے میں بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ نیز یہ تمام صفات الٰہی سے ہی اخذ کی گئی ہیں۔

افعال خدا: جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، انسان اس قابل نہیں ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کی مکمل طور پر شناخت کر سکے۔ حتیٰ کہ اس میں اتنی استعداد بھی نہیں ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کے افعال کو درک کر سکے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے تمام کام بلا کیفیت ہیں اور انہیں کسی بھی حد کے اندر محدود نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انسان اس کے کاموں سے حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

دُرّ بی چون را که کیفیت نهد این که گفتم هم ضرررت می دهد

[وہ چیز جس کی کوئی ماہیت و کیفیت نہیں ہے اس میں کیسی کیفیت پیدا کرتا ہے؟ یہ جو بات میں نے کہی ہے، اس کی بھی ضرورت ہے۔]

گه چنین بنماید وگه ضد این جزکه حیرانی نباشد کار دین

[کبھی ایسا نظر آتا ہے کہ اور کبھی اس کے برعکس۔ کیوں کہ دین کا کام حیرانی کے سوا اور کچھ نہیں]

بیشتر متکلمین کا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے افعال پر قادر ہے۔ اور ان کا ترک کر دینا نیز دیگر امور کو ترک کر دینا اس پر لازم نہیں۔ اس کی قدرت تمام ممکنات سے متعلق ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عالم میں جو چیز حادث ہوتی ہے وہ فعل خدا ہے اور اپنے بندوں پر مطلق حق تصرف اسی کا حق ہے۔ کسی بھی اصل کی رعایت کئے بغیر وہ جو بھی چاہتا ہے، کرتا ہے اور وہ جس حکم کا بھی ارادہ کرتا ہے، اس کے بارے میں وہی جانتا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی بھی اشعری متکلمین کی طرح اس عقیدے کے حامل ہیں۔ فعل حق تعالیٰ کو کوئی بھی کیفیت محدود نہیں کر سکتی۔ وہ جو بھی چاہتا ہے، کرتا ہے۔ متضاد چیزوں پر بھی اسے وہی قدرت حاصل ہے جو مانند و مشابہ اشیاء پر۔ حتی کہ وہ چیزیں جسے انسان غیر ممکن سمجھتا ہے اس کے دست قدرت کے ذریعے وہ ممکنات میں سے ہیں۔

هر محال از دست او ممکن شود هر حرون از بیم او ساکن شود

[ہر وہ چیز جو محال نظر آتی ہے، اس کے لئے ممکن ہے۔ ہر وہ گھوڑا جو سرکش ہے وہ بھی اس کے خوف سے رام ہو جاتا ہے۔]

دنیا قدرت الٰہی کے بحر بیکراں کا ایک ذرہ و قطرہ ہے:

هفت دریا اندر و یك قطره ای جملهٔ هستی ز موجش چکره ای

[سات سمندر (اس کے آگے) ایک قطرہ ہیں۔ یہ تمام ہستی موجود اس کی موج (قدرت) کے سامنے ایک بوند ہے۔]

گرجهان پیشت بزرگ وبی بنی است پیش قدرت ذره ای می دان که نیست

[اگرچہ یہ دنیا تیرے سامنے بہت عظیم و بے انتہا ہے (لیکن) خداوند تعالیٰ کی قدرت کے آگے اسے ایسا ذرہ سمجھ کہ جس کا وجود ہی نہیں۔]

خداوند تعالیٰ کی قدرت ایسی محیط ہے کہ زمین پر جتنی طاقتیں موجود ہیں وہ سب اس کے

آگے مغلوب ہیں:

صد هزاران نیزۂ فرعون را درشکست از موسی ای با یك عصا

[فرعون کے سوہزار نیزوں کو (حضرت) موسیٰ کے ایک عصا کے آگے شکست وہات ہے۔]

صد هزا ران طبّ جالینوس بود پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود

[سوہزار طب جالینوس حضرت عیسیٰ اوران کے دم کے آگے باعث افسوس ہو کر رہ جاتی ہیں]

صد هزا ران دفتر اشعار بود پیش حرف امّی اش عار بود

[اشعار کے سوہزار دیوان ہیں۔ لیکن اس امّی کے ایک حرف کے آگے وہ رسوا وخوار ہیں]

باچنین غالب خداوندی کسی چون نمیرد ؟ گرنباشد اوخسی

[غالب اور صاحب قدرت خداوند تعالیٰ کے سامنے کیوں نہ مر جائے کہ وہ [اس کے سامنے] تنکے کے برابر ناچیز ہے۔]

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خداوند تعالیٰ کی قدرت مطلق اس معنی میں ہے کہ اس کے ہر فعل کی کوئی منطق ہے اور وہ کسی تناقص کی متضمن نہیں۔ وہ کام اس کی ذات وسرشت کے منافی بھی نہیں۔ دوسری طرف وہ ایسا کام انجام نہیں دیتا جس کے لئے جسم کا ہونا لازمی ہو، وہ اپنے وعدوں کی نقیض بھی نہیں کرتا۔

البتہ خداوند تعالیٰ کے بہت سے کام ایسے بھی ہیں جو انسان کو بعض امور میں منعکس نظر آتے ہیں۔ کبھی تو وہ اس کی گمراہی کو اس کے لئے ذریعہ نجات بنادیتا ہے اور کبھی ایسے واقعات پیش آتے ہیں جو مؤمنوں کے راستے میں موانع پیدا کردیتے ہیں۔ لیکن ان تمام کاموں میں اس کی حکمت پنہاں ہے۔

باز آن عین ضلالت را به جود حق وسیلت کرد اندر رشد و سود

[پھر عین اسی گمراہی کو حق تعالیٰ نے اپنی جود وسخا سے ترقی و بہبود کا ذریعہ قرار دیا۔]

گمرهی را منهج ایمان کند کژروی را مقصد احسان کند

[گمراہی کو وہ ایمان کا سیدھا راستہ کردیتا ہے۔ کجروی کو وہ احسان کا مقصد بنادیتا ہے۔]

تا نباشد هیچ محسن بی رجا تا نباشد هیچ خائن بی رجا
[تاکہ کوئی محسن بے باک و بے خوف نہ ہو، تاکہ کوئی خیانت کار ناامید نہ ہو۔]

اندرون زهر تریاق آن خفی کرد تا گویند ذواللطف الخفی
[اس نے زہر کے اندر تریاق کو پوشیدہ کر دیا ہے تاکہ لوگ یہ کہہ سکیں کہ پنہاں طور پر خدا صاحب لطف و کرم ہے۔]

نیست مخفی در نماز آن مکرمت درگنه خلعت نهد آن مغفرت
[نماز میں وہ عظمت و بزرگی پنہاں نہیں۔ گناہ میں مغفرت کی خلعت عطا ہوتی ہے۔]

اس بنا پر پورے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے کاموں میں فائدہ و سود مندی ہی ہے۔ اور اس کا ہر کام حکمت کی بنا پر ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے کام میں جو حکمت و سود مندی ہے ہم پر روشن و عیاں نہ ہو۔ بہر صورت خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

آن که ازوی فائده زاییده شد چون نبیند آنچه ما را دیده شد
[وہ ذات جس سے منفعت و نفع کا وجود ہو وہ (اس فائدے کو) کیوں نہیں دیکھے گی جب کہ ہم نے اسے دیکھ لیا ہے۔]

صد هزاران فائده است و هر یکی صد هزاران پیش آن یك اندکی
[اگرچہ چیز ایک ہی ہے مگر اس میں سو ہزار فواید ہیں (اور) وہ سو ہزار فواید اس ذات واحد کے سامنے بالکل ہیچ ہیں۔]

آن دم نطقت که جزو جزوهاست فائده شک کل کلّ خالی چراست
[وہ دم جس کے ذریعے تو بات کرتا ہے (ان فوائد کے) اجزاء کا (ایک بہت چھوٹا) جزء ہے۔ (جب یہ معمولی سا ذرہ) فوائد سے خالی نہیں تو "کل" فائدے سے کس طرح خالی ہو سکتا ہے؟]

تو که جزئی کار تو با فایده است پس چرا در طعن کل آری تو دست
[تو ایک جزء ہے اور تجھے سروکار فائدے (کل) سے ہے۔ (تو جزء ہو کر جب کل سے جدا نہیں) تو کل کی جانب طعن و تشنیع سے کیوں دست اندازی کرتا ہے؟]

حکمت خداوندی اس امر کی متقاضی ہے کہ موجودات میں سے ہرایک کے ساتھ اسکے ظرف نیز اس کی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے، پیش آئے۔ جو لوگ آسودہ خاطر ہیں انھیں خوف دلاتا ہے تاکہ وہ مغرور نہ ہو جائیں۔ وہ لوگ جو خوف زدہ ہیں انہیں امید دلاتا ہے تاکہ وہ صبر کریں:

ایمنان را من بتر سانم به علم خائفان را ترسی برد ارم به حلم

[جو لوگ آسودہ خاطر ہیں میں انہیں علم کے ذریعے خوف دلاتا ہوں۔ جو لوگ خوف زدہ ہیں ان کے خوف کو میں حلم و بردباری سے دور کر دیتا ہوں۔]

پاره دوزم پاره در موضع نهم هرکسی را شربت اندر خور دهم

[میں پیوند سینے والا ہوں، میں پیوند کو اس کی جگہ پر لگاتا ہوں۔ ہر شخص کو شربت اس کی بساط دیکھ کر پینے کو دیتا ہوں۔]

خداوند تعالیٰ نے اپنے مظاہر کو مختلف خواص عطا کئے ہیں۔ اس نے دنیا پر نظام علت و معلول کو مسلط کیا ہے۔ لیکن اس کا ارادہ اس قانون علت و معلول پر حاکم و مسلط ہے۔ اسی لئے وہ اپنے مظاہر میں سے کسی کو بھی اس کی خاصیت سے محروم کر سکتا ہے۔ وہ شاذ و نادر ہی معجزے کے ذریعے اسے ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً آگ حق تعالیٰ کے حکم سے چیزوں کو جلاتی ہے، لیکن خدا چاہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتی۔

سنگ بر آهن زنی بیرون جهد هم به امر حق قدم بیرون نهد

[پتھر کو تو لوہے سے ٹکرائے گا تو اس میں سے (چنگاری) اچھل کر نکلے گی۔ یہ (چنگاری) خداوند تعالیٰ کے حکم سے اپنا قدم باہر نکالتی ہے۔]

سنگ وآهن خود سبب آمد و لیك تو به بالا تر نگر ای مرد نیك

[پتھر اور لوہا خود (چنگاری) کے نکلنے کا سبب ہیں۔ لیکن تو بھلے آدمی اس سے بالاتر دیکھ (کہ کس نے یہ خاصیت ان میں ودیعت کی ہے؟)]

خداوند تعالیٰ ہوا کہ یہ طاقت دے سکتا ہے کہ وہ اچھے اور برے کی پہچان کر سکے۔ اس نے ہوا کو یہ قوت بخشی کہ وہ قوم عاد کے لئے اژدہا ثابت ہوئی لیکن یہی ہوا مؤمنوں کو سکون و آرام بخشتی ہے۔

همچنین این باد را یزدان ما کرده بُد بر عاد همچون اژدها

[اسی طرح اس ہوا کو ہمارے خدا نے (قوم) عاد کے اوپر اژدہا کی مانند کر دیا تھا]

بازهم آن باد را بر مؤمنان کرده بُد صلاح و مراعات و امان

[پھر اسی ہوا کو (خداوند تعالیٰ نے) مومنوں پر صلح و مراعات اور امان (کا سبب) بنادیا تھا۔]

خداوند تعالیٰ کے کام ایسے وسیع و لاانتہا ہیں کہ اگر تمام باغوں کے درختوں کی شاخیں قلم میں تبدیل ہو جائیں، تمام سمندروں کا پانی روشنائی بن جائے، تو بھی کماحقہ خداوند تعالیٰ کی قدرت کے اوصاف بیان نہیں کیے جاسکتے۔

باغ و بیشه گر شود یکسر قلم زین سخن هر گز نه گردد هیچ کم

[باغ اور جنگل اگر سب کے سب قلم بن جائیں تو یہ گفتگو ہرگز کم نہ ہوگی۔]

آن همه حبر و قلم فانی شود وین حدیث بی عدد باقی بود

[یہ تمام قلم اور یہ سب دانشمند فنا ہو جائیں گے مگر یہ لاتعداد حدیث باقی ہی رہے گی۔]

اور یہ تمثیل سورہ کہف کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادَ الْكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْجِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَداً۔ (آیت ۱۰۹)

[اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائیں، تو وہ ختم ہو جائیں مگر تیرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے گی۔]

☆☆☆